امریکہ کی اشاعتی صنعت میں خواتین

سارہ وہائٹ

کامیاب ناشرین کہتی ہیں کہ کامیابی حاصل کرنے کی امنگ ان کی گھریلو زندگی کو متاثر نہیں کرتی۔

۱۸۴۲ میں کورنیلیا والٹر جب ایک اہم امریکی اخبار کی پہلی خاتون ایڈیٹر بنیں تو بہتوں کو یہ شبہ تھا کہ کوئی خاتون اس طرح کی ذمہ داری بھی ادا کر سکتی ہے۔ بہرحال پانچ برس بعد جب انہوں نے 'بوسٹن ٹرانسکرپٹ' کو الوداع کہا تو ملک بھر سے انہیں مبارکباد اور ستائش ملی۔ اخبار کے مالکان کا کہنا تھا کہ اگرچہ اس اعلیٰ عہدے پر ان کا تقرر ایک تجرباتی اور جرأت مندانہ اقدام تھا، ان کی کامیابی بڑی فاتحانہ رہی ہے۔

اشاعتی دنیا میں آج خواتین زیادہ تواتر کے ساتھ ترقی کے مدارج طے کر رہی ہیں، مثال کے طور پر وہ کمپنیوں کو کامیابی کے ساتھ چلا رہی ہیں اور اپنے مرد کارکنوں جیسی ہی تنخواہیں پا رہی ہیں۔ مطبوعات کے اہم صارف کے طور پر بھی خواتین کا اعتراف کیا جا رہا ہے۔ ۲۰۰۸ میں فولیو میگزین کی رپورٹ تھی کہ امریکہ کی اعلیٰ سطحی دس میگزینوں میں سے پانچ میگزین وہ ہیں جو خواتین کی دل چسپی کے موضوعات پر مہارت رکھتی ہیں۔

فنانشیل ٹائمس کے ذریعہ میگزینوں کی خاتون اول قرار دی جانے والی کیتھلین بلیک، ہرسٹ میگزینس کی سربراہ ہیں۔ یہ کمپنی 'گڈ ہاؤس کیپنگ' اور 'کاسموپولیٹن' سمیت امریکی خواتین کے متعدد مقبول میگزین شائع کرتی ہے۔ بلیک نے سیلز کے شعبے میں کام کا آغاز کیا اور پھر کئی کمپنیوں کی سربراہ بنیں۔ بعض تو تباہی کے دہانے پر تھیں جنہیں انہوں نے حیرت انگیز کامیابی سے ہمکنار کیا۔ بلیک اس کا کریڈٹ اپنے عزم و حوصلے کو دیتی ہیں جو انہیں امریکہ میں سب سے زیادہ شائع ہونے والے روزنامہ 'یو ایس اے ٹوڈے' کی پہلی (خاتون) پبلشر کے مقام تک لے گیا۔ ایلزبیتھ میک برائڈ جو کرینس نیویارک بزنس کے لیے لکھتی ہیں، سے بات کرتے ہوئے بلیک کہتی ہیں "خواتین کے لیے میرا پیغام یہی ہے کہ واقعی آپ کو یہ طے کرنا ہوگا کہ آپ چاہتی کیا ہیں۔"

ایک حوصلہ اور امنگ توازن کے لیے

آج بہت ساری امریکی خواتین ایک کامیاب کیریر اور خاندان دونوں کی خواہاں ہوتی ہیں۔ میگزین کی اشاعت جیسے مقابلہ جاتی اور محنت طلب میدان میں یہ ایک بہت ہی زیادہ دشوار کام محسوس ہوتا ہے۔ بہرحال کاری انصاری اور نش پبلی کیشنز کی پبلشر جین اوٹین برگ اس بات کی شہادت دے سکتی ہیں کہ ایسا ممکن ہے۔

انصاری جنہوں نے حال ہی میں امریکہ ڈاٹ گوو کے ساتھ ایک ویب چیٹ پروگرام کیا ہے، نے پبلشنگ میں اپنا کیریر ایک ایسے خلا کو پُر کرنے کے لیے شروع کیا جس کی پیش کش امریکی میڈیا کر رہا تھا۔ ستمبر ۱۱، ۲۰۰۱ کے دہشت گردانہ حملوں کے بعد وہ اور ان کے خاوند، جو دونوں باعمل مسلمان ہیں، اس بات سے خود کو بے بس محسوس کر رہے تھے کہ اسلام اور مسلمانوں کے تئیں میڈیا کی سوچ منفی ہے یہاں تک کہ اس میں وہ مسلمان بھی شامل تھے جو مسلمانوں کے بارے میں مضامین لکھتے ہیں۔ یہ جوڑا مسلم سماج کے لیے سیاست سے عاری ایک ایسا میگزین نکالنا چاہتا تھا جو ان سماجی مسائل پر خصوصی توجہ دے جو عام امریکی مسلم خاندان کو متاثر کرتے ہیں۔

انہوں نے ۲۰۰۳ میں واشنگٹن سے ایک مفت میگزین شائع کرنا شروع کیا۔ اپنے تین نوخیز بچوں کے توسط سے ان لوگوں نے اسے مڈاٹلانٹک کے پورے علاقے میں واقع مسجدوں اور مسلمانوں کے تجارتی مراکز میں مفت تقسیم کرایا۔ اس کے مثبت استقبال کے بعد اس جوڑے نے 'امریکاز مسلم فیملی میگزین' ۲۰۰۸ میں باضابطہ سالانہ زرتعاون کے ساتھ شروع کیا۔ انصاری کہتی ہیں کہ ۱۹۸۰ کی دہائی کے آغاز میں اپنا کیریر شروع کرتے ہوئے وہ ان خواتین کی طرف دیکھتی تھیں جو کہ مردوں کی بالادستی والے تجارتی میدانوں میں کامیاب رہی تھیں۔ مگر اب وہ خود کو ان خواتین کی طرف کھنچتی ہوئی محسوس کرتی ہیں جو اپنے کیریر میں کامیاب ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے خاندان کا بھی خیال رکھتی ہیں۔ اس طرح کی خواتین میں امریکی خاتون اول میشل اوباما بھی ہیں جو خود کو مام۔ان۔چیف کہتی ہیں۔

میگزین پبلشنگ کے میدان میں اوٹین برگ ایک اور اہم خاتون ہیں جو اس بات پر یقین نہیں کرتیں کہ کامیابی خاندان کی قیمت پر ملتی ہے۔ واشنگٹن علاقے میں متعدد مقامی اشاعتی ادارے شروع کرنے کے بعد وہ اور ان کے خاوند نے 'دی میگزین گروپ' شروع کیا، ایک ایسی کمپنی جو کسٹم اور ڈیجیٹل میڈیا میں مہارت رکھتی ہے۔

اوٹین برگ نے ۱۹۷۰ میں سیاست سے اپنے کیریر کا آغاز اس وقت کیا تھا جب بیشتر خواتین یا تو کیریر چاہتی تھیں یا پھر خاندان۔ دونوں ایک ساتھ نہیں۔ ایک امریکی سفارت کار کی بیوی شیپی ابراماوٹز جو خود بھی ایک سیاست داں ہیں' نے اوٹین برگ کی کیپٹل ہل میں پہلی نوکری کے سلسلے میں مدد کی تھی۔

اوٹین برگ ابراماوٹز کی اپنے خاندان اور اپنے کیریر کے تئیں لگن کی ستائش کرتی ہیں۔ اوٹین برگ سوچتے ہوئے یاد کرتی ہیں۔ "میں ان کی طرح بننا چاہتی ہوں۔ حالاں کہ وہ جانتی ہیں کہ ایک مکمل ماں اور ساتھ ہی ایک مکمل ایگزیکیوٹیو بننا ناممکن ہے۔ پھر بھی اوٹین برگ کہتی ہیں کہ وہ ہمیشہ اس بات کو یقینی بناتی ہیں کہ ان کا خاندان اہم ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ 'جب بھی میرا کوئی بچہ مجھے فون کال کرتا ہے تو میں اس سے گفتگو کرتی ہوں۔"

سارہ وہائٹ 'امریکہ ڈاٹ گوو سے وابستہ قلمکار ہیں۔

اوپر: "امریکاز مسلم فیملی" کے آرٹ ڈائرکٹر اور شریک بانی، احمد انصاری میگزین کے لئے السٹریشن کرتے ہوئے۔ انصاری ممبئی کے رہنے والے اور کاری انصاری کے شوہر ہیں۔
اوپر بائیں: سالانہ اسلامک سوسائٹی اف نارتھ امریکہ کانفرنس میں میگزین کے انفارمیشن بوتھ میں کاری انصاری کے بچے (بائیں سے) ساجد علی انصاری، صفیہ انصاری اور انیسہ انصاری۔
دور دائیں: میگزین کے سرورق پر انصاری فیملی۔

تجارت پیشہ خاتون کے طور پر ایڈیٹر کاری انصاری کی زندگی کے تجربات

کاری انصاری 'امریکاز مسلم فیملی' کی مدیرہ ہیں۔ گذشتہ دنوں انہوں نے امریکہ ڈاٹ گوو کے ویب چیٹ پروگرام میں سوالوں کے جواب دئے۔ اس گفتگو کے چند اقتباسات پیش ہیں۔

امریکہ میں اپنی زندگی کے بارے میں گفتگو کے اس اہتمام سے آپ کا کیا مقصد ہے؟

کاری انصاری: امریکی وزارت خارجہ نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں دنیا بھر میں اپنے مسلمان بہن بھائیوں کو امریکہ میں مسلمانوں کی زندگی کے بارے میں بتاؤں۔ میں ایسا کر کے خوش ہوں کیوں کہ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ کبھی کبھی ہمارے تجربات کے منفی پہلو ہی مسلم دنیا میں بیان کئے جاتے ہیں۔ ستمبر ۱۱ کے بعد کے سالوں میں میں نے فیصلہ کیا کہ میرا ملک امریکہ، مسلمان بن کے رہنے کے لیے ایک بہترین جگہ ہے۔ میں حفاظت اور سلامتی کے ساتھ یہاں اسلام پر عمل پیرا ہوں اور میں جانتی ہوں کہ میرا ملک امریکہ اس حق کو میرے لیے یقینی بناتا ہے۔

مذہبی فرائض کی ادائیگی اور اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کے مابین امریکی مسلم خواتین کس طرح ہم آہنگی پیدا کرتی ہیں؟

اپنے گھروں سے باہر کام کرنے والی بہت ساری مسلم خواتین کے بارے میں میں جانتی ہوں کہ انہیں نماز کے سلسلے میں یا رمضان کے دوران روزہ افطار کرنے کے لئے کسی طرح کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ بلکہ اس طرح کبھی کبھار روزگار فراہم کرنے والے کو تھوڑا بہت اسلام کے بارے میں بتانے اور وضاحت کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اکثر آجرین' مسلمانوں کو اس قسم کی سہولیات فراہم کرتے ہیں۔ ایسے واقعات ہوئے ہیں جہاں مسلمان فیکٹریوں میں کام کرتے ہیں اور جہاں انہیں ایک ترتیب سے کام کرنا پڑتا ہے، وہ اپنے آجرین سے مخصوص اوقات میں چند منٹوں کے لیے ترتیب کو چھوڑنے کے لیے بات کرتے ہیں تاکہ نماز یا افطار کا وقت فوت نہ ہونے پائے۔ مسلمانوں کے شہری حقوق کے تحفظ کے لیے ہمارے پاس دی کونسل آن امریکن اسلامک ریلیشنس (cair.com) ایک بہت ہی سرگرم تنظیم ہے جس نے کہ ان کام کرنے والوں میں سے بہتوں کی مدد کی ہے۔

میں حجاب پہنتی ہوں۔ اور امریکہ میں کوئی بھی اس کے ساتھ بحیثیت ایک مسلم آپ کو کام نہیں دے گا۔ وہ سوچتے ہیں کہ آپ نسل پرست یا نسلی امتیاز کرنے والے ہیں۔ کیا اس کا کوئی حل ہے۔ آپ مجھے اس سلسلے میں کیا مشورہ دے سکتی ہیں؟

ستمبر ۱۱ کے بعد کے زمانے میں ایک ایسی جگہ پر جہاں کہ مسلمان ہونا ہی عدم اعتماد اور دہشت کا سرچشمہ ہو سکتا ہے آپ کس طرح گزر بسر کر رہی ہیں؟

لوگوں کے بارے میں بداعتقادی لاعلمی سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر امریکی، مسلمانوں کے اعتقادات، اقدار اور پسند وغیرہ کو نہیں سمجھتے ہیں، تبھی وہ ہمارے بارے میں اندیشوں کا شکار ہوتے ہیں۔ ایک امریکی مسلمان کے طور پر، جو الفاظ و تصاویر کے ذریعہ اپنے طرز زندگی کی ترسیل کرتا ہے، یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں اپنے پڑوسیوں کو اپنی ہم عقیدہ قوم اور اس کی تعلیمات کے بارے میں بتاؤں۔ بتانے اور آگاہ کرنے کی یہی ذمہ داری ہے جس کے تحت میں اور میرے شوہر اپنی میگزین شائع کرتے ہیں اور دوسری مسلم تنظیموں کے ساتھ کام کر رہے ہیں تاکہ اسلام اور مسلمانوں کی تفہیم کو فروغ دیں۔ میں نے اس بات کو بخوبی جان لیا ہے کہ بارہا ایک امریکی مسلمان کے طور پر میرے تجربات بہت ہی مثبت ہوتے ہیں جب میں اپنے اور اپنے اردگرد رہنے والوں کے بارے میں مثبت انداز میں سوچتی ہوں۔ لیکن اگر میں اپنے غیر مسلم پڑوسیوں سے غلط رویے کی توقع رکھوں تو اپنے تجربے میں مجھے اس سے دوچار ہونا پڑ سکتا ہے۔ بہرحال جب میں عزت اور احترام کے رویے کی توقع رکھتی ہوں تو اکثر مجھے ناامیدی نہیں ہوتی۔

مجھے غلط نہ سمجھئے۔ یقیناً یہ ایک چیلنج ہے کہ میڈیا کی گھسی پٹی باتوں اور بدگمانیوں سے اوپر اٹھا جائے جو ان لوگوں کی جانب سے سامنے آتی ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی حقیقی نوعیت سے لاعلم ہیں۔ بہرحال جب ہم بحیثیت مسلمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوے کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ احترام اور مہربانی کا رویہ اپناتے ہیں تو امریکی بھی اسی طرح کا جواب دیتے ہیں۔ وہ مسلمان جو امریکی سماج میں مثبت انداز میں کام کر رہے ہیں انہوں نے سماجی تبدیلی لانے میں مدد کی ہے اور غیر مسلموں کے درمیان اسلام کو مثبت اور موثر انداز میں پیش کیا ہے۔

ستمبر ۱۱ کے بعد امریکہ میں مسلمانوں کی شبیہ کے بارے میں آپ کیا سوچتی ہیں؟

میرے خیال میں امریکہ کے عوامی حلقوں میں مسلمانوں کے تئیں غلط فہمیوں کو رفع کرنے میں ہم نے کافی کامیابی حاصل کی ہے۔ روایتی طور پر امریکہ میں مسلمان طب اور انجینئرنگ کے شعبوں میں ہیں۔ لیکن اب ہم مسلمانوں کی دوسری اور تیسری نسل کو دیکھ رہے ہیں جو بحیثیت امریکی شہری تجربہ کار ہو رہی ہے۔ وہ کامیابی کے ساتھ جرنلزم، میڈیا اور تفریح کے شعبوں میں نئے اور مختلف طرح کے کیریر بنا رہے ہیں۔ یہ بڑی تبدیلی مسلم معاشرے کے بارے میں ایک نئی بیداری پیدا کر رہی ہے۔ اب ہماری کہانی یہ نوجوان مسلمان سنا رہے ہیں بجائے اس کے کہ کوئی دوسرا ہمارے بارے میں کچھ بتائے۔ جو اکثر درست نہیں ہوتا۔

آج امریکی کانگریس میں ہمارے دو مسلمان نمائندے ہیں، ریاستی اور مقامی سطح پر اور بھی زیادہ منتخب مسلم حکام ہیں۔ صدر اوباما کی انتخابی مہم نے ہزاروں، ہزاروں مسلمانوں کو اہم اور انتخابی پانسہ پلٹنے والی ریاستوں میں متحرک کیا ہے۔ اور انہوں نے انتخابات کے آخری دنوں میں اس کے لیے سخت محنت کی کہ مسلمان ووٹ دینے کے لیے باہر نکلیں۔ یہ لوگ آج بھی متحرک ہیں اور انہیں اپنی کوششوں میں کامیابی سے قوت بھی ملی ہے۔ میری ایک قریبی دوست ہیں جو اپنے شہر کے شہری انتظامی امور میں سرگرم عمل ہیں۔ ان سے اس شہر کے مقامی عہدے کے لیے انتخاب لڑنے کی درخواست کی گئی ہے اور جو لوگ اس سلسلے میں ان کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں وہ ان کے غیر مسلم پڑوسی ہیں۔ مجھے یہ بات بتاتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ مذکورہ خاتون نے آئندہ برس انتخابی دوڑ میں شامل ہونے کے لیے رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ یہ بہت ہی حیرت انگیز ہے۔ شہری امور میں شمولیت کی یہ مثالیں انشاءاللہ امریکہ میں ہمارے بارے میں عام تاثر پر مثبت اثر ڈالیں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کا پوری دنیا پر اثر پڑنا چاہیے۔